احتکار اور اس کا تدارک: کتاب وسنت کے احکام اور علما و فقہا کی تعبیرات کا مطالعہ

(Monopoly and its Remedy: A Study of the rules of Quran and *Sunnah* and the Interpretations of the Scholars and Jurists)

*ڈاکٹر عبدالوہاب خان

** قمر عزیز

*** ڈاکٹر قاضی فرقان احمد

Abstract

It is a common problem of the society that people stockpile grain and other items for profit. Due to non-availability of these things the needy face trouble and on the other hand society suffers from inflation and various other economic problems. Due to the catastrophic economic losses of hoarding the Quran and *Sunnah* strictly forbid it. But people generally do not pay attention to this issue which is often due to their unfamiliarity with the *Sharī'ah* principles and the investigations of Islamic scholars and jurists in this regard. Keeping in view this context, the present article seeks to clarify the relevant rules of the Quran and *Sunnah* and the interpretations of the scholars. It finds that all kinds of hoarding are unlawful or at least hateful according to *Sharī'ah*.

Key Words: Monopoly, Quran, Sunnah, Jurists

سوسائٹی کا یہ عام مسئلہ ہے کہ لوگ غلہ وغیرہ اشیا کو منافع کمانے کی غرض سے ذخیرہ کرکے رکھ چھوڑتے ہیں۔ اس سے ایک تو یہ چیزیں حاجت مندوں تک نہ پہنچنے کے سبب ان کو پریشانی اور مشکل کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور دوسرے معاشرہ

* پروفیسر شعبہ علوم اسلامیہ، قرطبہ یونی ورسٹی آف سائنس اینڈ انفارمیشن ٹیکنالوجی، ڈیرہ اسماعیل خان

** فاضل دارالعلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ شریف

*** اسسٹنٹ پروفیسر اسلامیات، یونی ورسٹی آف گجرات

گرانی اور دیگر مختلف معاشی مسائل کا شکار ہوتا ہے۔ ذخیری اندوزی اور احتکار کے تباہ کن معاشی نقصانات کے سبب قرآن وسنت میں اس سے سختی سے منع کیا گیا ہے۔ لیکن لوگ عام طور پر اس مسئلے کی طرف توجہ نہیں دیتے، جس کی وجہ اکثر اوقات اس معاملے میں شرعی احکام اور اصول و قواعد اور علما و فقہا کی تحقیقات سے ناواقفیت ہوتی ہے۔ اس تناظر میں ذخیرہ اندوزی کی مروجہ صورتوں اور اس کے تدارک کے حوالے سے اس مضمون میں یہ کوشش کی گئی ہے کہ قرآن و سنت اور علما و فقہا کی آرا کی روشنی میں احتکار سے متعلق احکام کو وضاحت سے پیش کیا جائے تاکہ معاشرے کے ایک بہت بڑے مسئلے کو حل کرنے میں مدد فراہم ہو۔

احتکار اور اس کی اقسام

احتکار کا لفظ حکر (بالضم) سے ماخوذ ہے اس کا مادہ اشتقاق حاء، کاف اور راء ہے جس کا معنی ہے حبس الشيئ (کسی چیز کو روک لینا۔ فتاوی شامی کے مطابق احتکار کا لغوی معنی کسی چیز کو مہنگا کرنے کی خاطر روکے رکھنا اور اسی سے حکرہ کا اسم حا کے ضمہ اور کاف کے سکون کے ساتھ ماخوذ ہے ۔[1] ابن الفارس نے حکر کو فا کے فتحہ، سین کے فتحہ اور سکون دونوں لغات کے ساتھ ذکر کیا ہے۔[2] علامہ کاسانی کے مطابق احتکار یہ ہے کہ کوئی شخص شہر میں غلہ خرید کر رکھ دے اور اسے نہ بیچے اور اس کا یہ کام لوگوں کے لیے باعث تکلیف ہو۔[3] علامہ خوارزمی نے احتکار کی وضاحت اور محتکر کی مذمت کے حوالے سے لکھا ہے کہ یعنی اللہ تعالی اسے رسوا کردیتا ہے اس طرح کہ جب وہ ضرورت مند ہوتا ہے تو اللہ تعالی اس کی مدد نہیں فرماتا ، ایک اور روایت میں ہے: اللہ تعالی، ملائکہ اور تمام لوگوں کی لعنت اس پر ہوتی ہے، اور اللہ تعالی اس سے نہ فرض قبول کرے گا اور نہ نفل۔ امام ابو یوسف سے مروی ہے کہ ہر وہ چیز جو ضرر عام کا سبب بنے یعنی ہر شخص عمومی طور پر اس سے اثر انداز ہو، احتکار کہلاتا ہے۔[4] احتکار کی اصطلاحی تعریف بیان کرتے ہوئے علامہ شامی لکھتے ہیں: **وشرعاً: إشتراء طعام ونحوه وحبسه إلى الغلاء اربعين يوماً لقوله عليه الصلاة والسلام من احتكر على المسلمين أربعين يوماً ضربه االله بالجذام والإفلاس وفى رواية فقد برئ من االله وبرئ االله منه۔**[5] اصطلاح شرع میں احتکار کا مفہوم یہ ہے کہ کسی کھانے کی چیز کو خریدنا اور پھر اسے اپنے پاس کم از کم چالیس دن تک اس لیے روکے رکھنا کہ اس کی قیمت بڑھے گی تو اس کو بیچے گا اور اس پر دلیل سرکار دوعالم ﷺ کا فرمان ہے جس نے مسلمانوں پر چالیس دن تک اناج کو روکا اللہ تعالی اس پر کوڑھ اور غربت وافلاس مسلط کردے گا، ایک اور روایت میں ہے کہ اللہ تعالی اس سے بری ہے اور وہ اللہ تعالی سے بری ہے۔ "

---

[1] محمد امین ابن عابدین شامی، ردالمحتار (بیروت: دار عالم الکتب، 2003ء) 6: 398۔

[2] احمد بن محمد الفیومی الحموی، المصباح المنیر فی غریب الشرح الکبیر (قاہرہ: دار المعارف، 2016ء)، 1: 266۔

[3] ملک العلماء علاء الدین ابوبکر بن مسعود کاسانی، بدائع الصنائع (بیروت: دار الکتب العلمیہ، 2003ء)، 6: 515۔

[4] علامہ خوارزمی، الکفایہ بر ہامش فتح القدیر (کوئٹہ: مکتبہ رشیدیہ، 2001ء) 3: 322۔

[5] محمد امین ابن عابدین شامی، ردالمحتار (بیروت: دار عالم الکتب، 2003ء) 6: 398۔

احتکار کی مختلف صورتیں میں سٹہ، اجارہ داری اور سمگلنگ بھی شامل ہیں۔ ذیل کی سطور میں ان سب سے متعلق شرعی احکام کے حوالے سے کتاب وسنت کی تعلیمات اور علما و فقہا کی آرا پیش کی جاتی ہیں۔

احتکار واکتناز

احتکار کا اطلاق جمہور احناف کے نزدیک اجناس خوردنی کے ذخیرہ کرنے پر ہوتا ہے۔ جبکہ امام ابو یوسف اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ہر چیز کو ذخیرہ کرنا احتکار کہلاتا ہے۔ جو تاجر ذخیرہ اندوزی کرکے مصنوعی قلّت پیدا کرے اور پھر مارکیٹ میں اپنا مال اپنی مرضی کی قیمت پر فروخت کرے، اسے خطاکار اور ملعون قرار دیا گیا ہے، ارشادِ نبوی ہے: **مَنِ احْتَكَرَ يُرِيْدُ أَنْ يَتَعَالٰى بِهَا عَلَى الْمُسْلِمِيْنَ فَهُوَ خَاطِئٌ**[6]۔ "جس نے ذخیرہ اندوزی اس ارادہ سے کی کہ وہ اس طرح مسلمانوں پر اس چیز کی قیمت چڑھائے وہ خطاکار ہے۔" دوسری روایت میں ہے: **اَلْجَالِبُ مَرْزُوْقٌ وَالْمُحْتَكِرُ مَلْعُوْنٌ**"[7] "تاجر کو (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) رزق دیا جاتا ہے اور ذخیرہ اندوزی کرنے والا لعنتی ہے۔" ایک اور روایت میں ہے: **مَنِ احتَكَرَ عَلَى الْمُسْلِمِيْنَ طَعَامًا ضَرَبَهُ اللهُ بالجذامِ والافلاس**۔[8] "جس نے مسلمانوں پر احتکار کیا، کھانے کی چیزوں کا، تو اللہ تعالیٰ اس کو جذام اور افلاس میں مبتلا کرے گا۔" تاہم اکتناز کا لفظ کنز سے نکلا ہے جس کا معنی ہے خزانہ جمع کرنا۔ اور اس سے مراد وہ خزانہ ہے جس کی زکوۃ ادا نہ کی جائے۔ عبد الماجد دریا بادی نے اکتناز کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ کنز کے لغوی معنی اس مال کے ہیں جو کسی ظرف میں محفوظ کرکے رکھا گیا ہو، یا زیرِ زمین دفن کر دیا گیا ہو، لیکن حدیث نبوی اور اصطلاح شرعی میں کنز سے مراد وہ مال لیا گیا ہے، جس کی زکوۃ ادا نہ کی جائے اور جس کی زکوۃ ادا ہوتی رہے، اس پر اطلاق کنز کا نہ ہوگا۔ محدث بیہقی نے نافع مولیٰ ابن عمر صحابی سے روایت کی ہے کہ جس مال کی زکوۃ ادا ہو چکی، وہ کنز نہیں ہے، چاہے زمین کے سات پردوں میں گڑا ہو اور جس کی زکوۃ ادا نہیں ہوئی، وہ کنز ہے، چاہے سطح زمین پر کھلا پڑا ہو۔[9] ارشاد باری تعالیٰ ہے: **وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَايُنْفِقُوْنَهَافِيْ سَبِيْلِ اللهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ يَوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِجَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ هٰذا مَاكَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا ماكُنْتُمْ تَكْنِزُوْن**۔[10] اس آیت کی تفسیر میں مولانا عبد الماجد دریا بادی لکھتے ہیں کہ اس آیت کی روشنی میں وعید انھی لوگوں کے حق میں ہے جو غایت حرص کی بنا پر مال کے حقوق واجب ادا نہیں کرتے، اس سے ظاہر ہے کہ قرآن مجید نے جس مال کو مذموم قرار دیا ہے وہ مطلق جمع نہیں، بلکہ صرف وہ جمع ہے جس میں ضروری مصارف خیر کی گنجایش نہ رکھی جائے اور اس مفہوم پر بجز ایک

---

[6] النیسابوری، ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ الحاکم، المستدرک علی الصحیحین، (کراچی: قدیمی کتب خانہ سطن)، رقم الحدیث: 2211۔

[7] ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ، سنن ابن ماجہ (بیروت: دار الجیل)، 3:518۔

[8] محمد بن اسماعیل البخاری، الجامع الصحیح (کراچی: قدیمی کتب خانہ)، رقم الحدیث: 443۔

[9] عبد الماجد دریاآبادی، تفسیر ماجدی (کراچی: تاج کمپنی لمیٹڈ 1952ء) 403۔

[10] سبا 34:9۔

صحابیؓ ابوذرؓ اور چند اہل زہد کے باقی اکابر صحابہؓ اکابر تابعین اور جمہور علما کا اتفاق ہے۔ اس آیت میں سونے اور چاندی کا نام بطور مثال اور نمونہ کے لیے دیا گیا کہ عموماً مال و جائیداد کے بڑے ذریعے یہی ہیں، یہ مراد نہیں کہ حصول دولت و جمع دولت کا حصر انھی دو چیزوں میں ہے اور اکتناز کرنے والوں کے لیے اتنی صریح، شدید، مؤکد وعید عذاب سے ظاہر ہے کہ بڑے بڑے کوٹھی وال مہاجنوں، بینکروں کی طرح سونے چاندی کے ڈھیر پر ڈھیر جمع کرتے رہنے کی گنجایش اسلام میں نہیں۔[11]

سٹہ بازی

سٹہ کا معنی لغت کی رو سے جوا کے ہیں،[12] اور تاجروں کی اصطلاح میں سٹہ وہ مال ہوتا ہے, جسے روکے رکھتے ہیں اور ان کی کاروباری سوچ کے مطابق اس چیز کا بھاؤ عنقریب بڑھنے والا ہوتا ہے، اور اس ضمن میں منڈی کا بھاؤ گر بھی سکتا ہے اور اس تاجر کو نقصان بھی برداشت کرنا پڑ سکتا ہے جو کہ جوئے کے کافی مشابہ ہے اس لیے اسے سٹہ کہا جاتا ہے۔ کاروباری سٹہ کا مفہوم بیان کرتے ہوئے مولانا عبدالرحمٰن کیلانی لکھتے ہیں: "سٹہ باز جو عموماً بڑے بڑے تاجر ہوتے ہیں، اپنے دفتروں میں بیٹھ کر یہ کاروبار کرتے ہیں، کسی ایک جنس کے متعلق اندازہ کیا جاتا ہے کہ اتنی مدت کے بعد اس چیز کا بھاؤ اتنا ہو جائے گا، مثلاً آج کل چنے کا بھاؤ چار ہزار روپے فی من ہے، ایک صاحب اندازہ لگاتے ہیں کہ چھ مہینے کے بعد چنے کا بھاؤ پانچ ہزار روپے ہونے کا امکان ہے اور دوسرے صاحب کے خیال میں بھی یہ نرخ پانچ ہزار روپے تک چلا جائے گا، ان میں سے ایک صاحب بائع بن جاتا ہے، دوسرا مشتری۔ سودا یہ طے پاتا ہے کہ آج سے پورے چھ مہینے بعد چنے کی ایک ہزار بوری پانچ ہزار روپے من کے حساب سے فروخت کرتا ہوں، دوسرے صاحب مشتری بن کر سودا پکا کر لیتے ہیں اور کچھ بیعانہ بھی دے دیتے ہیں، حالانکہ بائع کے پاس مال موجود نہیں ہوتا، چھ ماہ گذرنے کے بعد وہ نفع و نقصان کا حساب کرکے رقم کا لین دین کر لیتے ہیں، نہ کوئی مال دیتا ہے، نہ لیتا ہے، تجارت کی اس قسم کو سٹہ کہتے ہیں۔"[13] مولانا تقی عثمانی کے مطابق: "مستقبل میں کیا ہونے والا ہے؟ ظاہر سی بات ہے کہ کوئی شخص بھی اس کے بارے میں سو فیصد درست معلومات رکھنے کا دعویٰ نہیں کر سکتا، زیادہ سے زیادہ اگر کوئی کچھ کر سکتا ہے تو یہی ہے کہ بہتر سے بہتر طریقے استعمال کرکے اس کے متعلق اندازہ اور تخمینہ لگا لے۔ اس اعتبار سے ہر سرمایہ کاری اور ہر تجارت میں ظن و تخمین کا عنصر ضرور ہوتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ ہر قسم کا ظن و تخمین برا نہیں ہوتا، لیکن جب اندازہ لگانے کے اس عمل کو کسی قید اور پابندی کے بغیر کام کرنے دیا جائے، تو اس کے بداثرات جوئے خانے میں ہونے والی قمار بازی سے بھی زیادہ خطرناک ہوتے ہیں۔"[14]

اجارہ داری

---

[11] عبدالماجد دریا بادی، تفسیر ماجدی (کراچی: تاج کمپنی لمیٹڈ 1952ء)، 403۔

[12] مولوی فیروز الدین، فیروز اللغات (کراچی: فیروز سنز)، 150۔

[13] عبدالرحمٰن کیلانی، اسلام میں ضابطہ تجارت (لاہور، مکتبہ اسلام)، 88۔

[14] مولانا تقی عثمانی، فقہی مقالات (کراچی: میمن اسلامک پبلشرز، 1994ء)، 5:51۔

نظام سرمایہ داری کا ایک بڑا نقص یہ ہے کہ اس میں مقابلہ و مسابقت کے باوجود بعض اوقات بلکہ اکثر اوقات چند کاروباری حضرات یا کوئی ایک کاروباری فرد بازار کی قوتوں پر کنٹرول حاصل کرلیتا ہے، خواہ یہ کنٹرول باہمی ملی بھگت یا کسی اور وجہ سے ہو، عام طور پر چند کاروباری حضرات مل کر آپس میں کچھ کاروبار تقسیم کرلیتے ہیں اور کوئی ایک دوسرے کے مقابلے میں نہیں آتا، جس کی وجہ سے کاروباری اپنی پیداوار کا واحد اجارہ دار بن جاتا ہے، بعض اوقات مقابلہ کے ذریعے اپنے مقابل کاروباریوں کو شکست دے کر ان کو پیداوار بند کردینے پر مجبور کردیا جاتا ہے اور آخرکار ملک کی اجتماعی معیشت چند بڑے بڑے اجارہ داروں کے ہاتھ میں کھلونا بن جاتی ہے، اور اس طرح یہ طرح طرح کے طریقوں سے عوام کا استحصال کرتے ہیں، اس طاقت کو اشیا کی ہنگامی، بے جا نفع اندوزی، اشیا کی کوالٹی (معیار) گرانے، مارکیٹ میں مصنوعی قلّت پیدا کرنے کے لیے استعمال کیا جاہے، جن سے قیمتیں بڑھتی ہے اور عام افراد معاشی بدحالی کا شکار ہوجاتے ہیں۔ اس کی ممانعت قرآن وحدیث میں جگہ جگہ بیان ہوئی۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے: **وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ**۔ "ہلاکت ہے ہر عیب تلاش کرنے والے کے لیے اور غیبت کرنے والے کے لیے۔"؛ **اَلَّذِیْ جَمَعَ مَالاً وَّعَدَّدَهٗ** "جو اپنا مال جمع کرکے رکھتا ہے اور گن گن کر رکھتا ہے۔" **يَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗۤ اَخْلَدَهٗ** اور گمان کرتا ہے کہ اس کا مال اس کے پاس ہمیشہ رہے گا۔ اسلام کا انداز تربیت یہ ہے کہ دنیا کے مال ومتاع کو فانی سمجھو اس کو جمع کرنے میں وقت ضائع نہ کرو۔[15]

ایک اور مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے: **كَیْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ**۔[16] "خبر دار ایسا نہ ہو کہ مال و دولت صرف تمھارے دولتمندوں میں ہی محدود ہو کر رہ جائے۔" اس میں غریبوں اور یتیموں اور کئی دوسرے ضرورت مند لوگوں کا بھی اس میں حق ہے۔ **وَفِیْۤ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ**۔[17] "ان کے مالوں میں مانگنے والوں اور ناداروں کا بھی حق ہے۔" شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی لکھتے ہیں کہ اپنی حاجت سے زائد پر قبضہ نہ رکھے، بلکہ اس کو اوروں کے حوالے کردے، کیونکہ باعتبار اصل دونوں کے حقوق اس کے ساتھ متعلق ہورہے ہیں، یہی وجہ ہے کہ مال کثیر حاجت سے بالکل زائد جمع رکھنا بہتر نہ ہوا، اگر زکوٰۃ بھی ادا کردی جائے اور انبیاء وصلحاء اس سے بغایت مجتنب رہے، چنانچہ احادیث سے یہ بات واضح ہوتی ہے، بلکہ بعض صحابہ وتابعین وغیرہ نے حاجت سے زائد رکھنے کو حرام ہی فرمایا۔ بہر کیف غیر مناسب وخلاف اولیٰ ہونے میں تو کسی کو کلام ہی نہیں، اس کی وجہ یہی ہے کہ زائد علی الحاجۃ سے تو اس کی کوئی غرض متعلق نہیں اور اوروں کی ملک من وجہ اس میں موجود تو گویا شخص مذکور من وجہ مال غیر پر قابض ومتصرف ہے۔"[18] حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا مذہب یہ تھا کہ اہل وعیال کے نفقہ سے زیادہ روپیہ جمع کرنا قطعاً حرام ہے، وہ اسی

---

[15] آل عمران 3:104۔

[16] الاعراف 59:7۔

[17] المعارج 24:70۔

[18] مولانا محمود الحسن، ایضاح الادلۃ (انڈیا: مطبوعہ دیوبند)، 268۔

کا فتویٰ دیتے، اسی کی تبلیغ کرتے اور اسی کا سب کو حکم دیتے تھے۔"[19] بہت سی احادیث میں سے ایک حدیث درج ذیل ہے، جسے حضرت ابوذرؓ روایت کرتے ہیں: "میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ مدینہ منورہ کے علاقے حرہ میں چل رہا تھا، ہمارا رخ احد کی طرف تھا، آپؐ نے فرمایا: ابوذرؓ! میں نے عرض کیا: حاضر ہوں، اے اللہ کریم کے رسول ﷺ! آپؐ نے فرمایا: مجھے اس بات سے خوشی نہ ہو گی کہ میرے پاس احد پہاڑ کے برابر سونا ہو، پھر اس پر تین روز گزر جائیں اور میرے پاس اس میں سے ایک دینار بچ جائے، البتہ ادائیگی قرض کے لیے کچھ بچالوں تو اور بات ہے، ہاں میں اسے اللہ کریم کے بندوں میں ایسے اور ایسے بانٹوں اور آپ ﷺ نے اپنے دائیں، بائیں اور پیچھے اشارہ کرکے دکھایا۔ پھر آپ چل پڑے اور فرماتے جاتے تھے: یقیناً آج جو کثرت (مال) والے ہیں وہ قیامت کے دن قلیل (ثواب) والے ہوں گے۔ ہاں البتہ جس نے ایسا کیا اور ایسے کیا اور ایسے کیا اور آپ نے اپنے دائیں، بائیں اور پیچھے ہاتھوں کو (گھما کر) دکھایا، مگر ایسے (خوش نصیب) بہت کم ہوں گے۔"[20]

سمگلنگ

سمگلنگ کی کئی صورتیں ہیں جیسے کوئی مال چوری کرکے بیچنا، بغیر ٹیکس ادا کیے مال بیچنا، تلقی جلب یعنی ایسا مال جس کی شہر میں ضرورت ہو، اسے دوسرے شہر میں منتقل کرنا تاکہ اسے مہنگے داموں بیچا جاسکے۔ سمگلنگ کے شرعی حکم کے حوالے سے بھی علما نے اپنے فتاویٰ اور تحریروں میں رہنمائی کی ہے۔ مثلاً ایک سوال کے جواب میں مولانا گوہر رحمٰن لکھتے ہیں کہ حکومت وقت نے جب عوامی مفاد میں کوئی قاعدہ بنایا ہو تو شہریوں پر اس کی پابندی ضروری ہو جاتی ہے، بشرطیکہ وہ شریعت کے احکام کے خلاف نہ ہو۔ شرعاً اگرچہ ایک صوبے کا تاجر اپنا مال دوسرے صوبے میں اور ایک ملک کا تاجر اپنا مال تجارت دوسرے ملک میں فروخت کرسکتا ہے، لیکن شرعاً چونکہ بیرون ملک یا بیرون صوبہ اپنا مال فروخت کرنا فرض اور واجب نہیں ہے، بلکہ صرف مباح ہے، اس لیے قومی اور عوامی مفاد کی خاطر اور مصنوعی مہنگائی کے سد باب کے لیے حکومت بین الصوبائی اور بین الاقوامی سمگلنگ پر پابندی لگاسکتی ہے اور شہریوں پر اس کی پابندی ضروری ہو جاتی ہے۔ سمگلنگ کا حکم بیان کرنے کے بعد اس کے تجارتی عوامی مفادات پر روشنی ڈالتے ہوئے مولانا موصوف لکھتے ہیں کہ تجارت پیشہ لوگوں کا مفاد تو سمگلنگ کی اجازت دینے میں ہے، لیکن عام صارفین کا مفاد اس کی ممانعت میں ہے اور شریعت کا قاعدہ یہ ہے کہ عوام کا مفاد خواص کے مفاد پر مقدم ہے۔ اس کے علاوہ آج کل سمگلنگ کا جو بین الصوبائی اور بین الاقوامی کاروبار ہو رہا ہے، یہ رشوت کے لین دین اور جھوٹ وفریب دہی کے بغیر چل ہی نہیں سکتا، شاید ہی کوئی ایک دو فیصد لوگ ایسے ہوں جو یہ کاروبار کبیرہ گناہوں کے ارتکاب کے بغیر جاری رکھ سکتے ہوں، اس لیے سمگلنگ کا کاروبار چھوڑ

---

[19] محمد بن یزید ابن ماجہ، سنن ابن ماجہ (ابواب التجارات، باب الحکرۃ)۔

[20] الاعراف 7:59۔

کو ملکی قواعد وضوابط کے مطابق تجارت کرنی چاہیے، بشرطیکہ وہ قواعد وضوابط اسلام کے احکام کے خلاف نہ ہوں۔[21] مفتی رشید احمد لدھیانوی کے مطابق اسمگلنگ میں حکومت کے قانون کی خلاف ورزی، ملک کا نقصان اور عزت کا خطرہ ہے، اس لئے ناجائز ہے، ایسے مال کی خرید وفروخت اور اس میں تعاون کرنا بھی ناجائز ہے، مگر اس کے منافع حرام نہیں۔[22]

احتکار کے حکم کی چار صورتیں اور ان کے احکام

اہلِ علم نے احتکار کی چار صورتیں اور ان کے احکام ذکر کیے ہیں: 1۔ایک صورت یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی زمین کا غلہ روک رکھے اور فروخت نہ کرے، یہ جائز ہے، لیکن اس صورت میں گرانی اور قحط کا انتظار کرنا گناہ ہے، اور اگر لوگ تنگی میں مبتلا ہو جائیں، تو اس کو اپنی ضرورت سے زائد غلہ کے فروخت کرنے پر مجبور کیا جائے گا۔2۔دوسری صورت یہ ہے کہ کوئی شخص غلہ خرید کر ذخیرہ کرلیتا ہے اور جب لوگ قحط اور قلّت کا شکار ہو جائیں، تب بازار میں لاتا ہے، یہ صورت حرام ہے۔3۔ تیسری صورت یہ ہے کہ بازار میں اس جنس کی فراوانی ہے، اور لوگوں کو کسی طرح کی تنگی اور قلّت کا سامنا نہیں، ایسی حالت میں ذخیرہ اندوزی جائز ہے، مگر گرانی کے انتظار میں غلہ کو روک رکھنا کراہت سے خالی نہیں۔4۔چوتھی صورت یہ ہے کہ انسانوں یا چوپائیوں کی خوراک کی ذخیرہ اندوزی نہیں کرتا، اس کے علاوہ دیگر چیزوں کی ذخیرہ اندوزی[23] کرتا ہے، جس سے لوگوں کو تنگی لاحق ہو جاتی ہے، تو یہ صورت عندالاحناف جائز ہے۔جبکہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جائز نہیں۔ صاحب ہدایہ اس کا حکم بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں: **ویکره الاحتکار فی اقوات الآدمیین والبهائم اذا کان ذٰلک فی بلدٍ لغیرالاحتکار باهله وکذٰلک التلقی فامّا اذا کان لا لغیر فلابأس به**۔[24] احتکار حرام ہے[25] انسانوں اور چوپاہوں کے کھانے پینے کی چیزوں میں جب وہ اس اناج کو کسی اور شہر کے لوگوں کے لیے ذخیرہ کیے ہوئے ہو، اور اسی طرح جلب ذر کا حکم ہے یعنی شہر میں قحط کی کیفیت ہو اور وہ اناج کسی اور علاقے میں منتقل کرے تو اس کا ایسا کرنا حرام ہے۔علامہ کاسانی نے اس کے حکم میں چند نوعیتیں ذکر کی ہیں: 1۔اولا احتکار حرام ہے۔2۔محتکر کو حاکم وقت حکم دے گا کہ وہ ان چیزوں کو مارکیٹ میں لائے اور انھیں فروخت کرے۔3۔اگر محتکر انکار کرے کو تو اسے قید کردے ۔ 4۔ اگر قید کے باوجود بھی وہ بیچنے پر راضی پر نہ ہو تو اسے تعزیر لگائے ۔5۔اس ضمن میں حاکم اس کے مطالبے پر قیمت میں اضافہ نہیں کرے

---

[21] مولانا گوہر رحمان، تفہیم المسائل (مردان: مکتبہ تفہیم القرآن،1999ء)358 ۔

[22] مفتی رشید احمد،احسن الفتاویٰ (کراچی: ایچ ایم سعید2420ھ)،95:8۔

[23] مولانا محمد یوسف لدھیانوی،آپ کے مسائل اور ان کا حل (کراچی: مکتبہ لدھیانوی 1997ء)،79،80:6 ۔

[24] علی بن ابی بکر الفرغانی المرغینانی،الھدایہ (لاہور: مکتبہ رحمانیہ سطن)،470:4۔

[25] یکرہ کا ترجمہ حرام سے اس لیے کیا کہ متون معتبرہ میں کرہ یا یکرہ سے مراد مکروہ تحریمی ہوتا ہے جو کہ اقرب الی الحرام ہے اور دیگر نصوص شرعیہ سے اس کا حرام ہونا بھی ثابت ہے۔ کمافی البدائع 516:6۔

گا۔6۔اگر صورت حال یہ ہو کہ رعایا بھوک سے موت کے آغوش میں جا رہے ہوں تو پھر حاکم وقت محتکرین سے مال جبرا لے اور تقسیم کردے۔پھر حالات جب درست ہو جائیں گے وہ لوگ ان محتکرین کو اتنی مقدار اناج واپس کریں گے۔[26]

احتکار کا دائرہ کار

اہلِ علم کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ ناجائز ذخیرہ اندوزی کس چیز میں ہوتی ہے؟ احناف کے نزدیک احتکار صرف غذائی اجناس میں ہوتا ہے۔اور یہ موقف جمہور احناف کا ہے، سوائے امام ابو یوسف کے، وہ کہتے ہیں ہر چیز جو بندگان خدا پر تکلیف کا باعث بنے اس میں احتکار کا حکم جاری ہوگا۔[27] ائمہ ثلاثہ کے نزدیک یہ ہر اس چیز میں ہو سکتا ہے جس کی لوگوں کو ضرورت ہو، اور اس چیز کو روکنے سے انہیں تکلیف پہنچے، یہ مالکی فقہائے کرام، شوافع، امام احمد اور احناف میں سے امام ابو یوسف کا موقف ہے۔امام شوکانی رحمہ اللہ "نیل الأوطار" میں لکھتے ہیں کہ احادیث کا ظاہری مفہوم یہ ہے کہ انسانوں یا جانوروں کی خوراک میں بلا تفریق ناجائز ذخیرہ اندوزی حرام ہے، لہٰذا جن چند روایات میں لفظ "طعام" یعنی کھانے کی اشیا کا ذکر ہے، ان کی وجہ سے دیگر مطلق روایات کو مقید کرنا درست نہیں؛ کیونکہ یہ تو محض مطلق احادیث کے اطلاقات میں سے کسی ایک کی نصاً صراحت ہے۔[28] اسی طرح شافعی فقیہ علامہ رملی رحمہ اللہ "حاشیۃ اِسنی المطالب" میں لکھتے ہیں کہ مناسب یہی ہے کہ ناجائز ذخیرہ اندوزی کا حکم ہر اس چیز پر ہونا چاہیے جس کی عام طور پر ضرورت ہو، چاہے اس کا تعلق ملبوسات سے ہو یا کھانے کی اشیا سے۔"[29]

نتائج بحث

ذخیرہ اندوزی خواہ کسی چیز میں ہو، چاہے اس کا تعلق اشیاے خوردونوش سے ہو یا دیگر اسباب زندگی سے، خواہ وہ انسانوں کی ضرورت سے تعلق رکھتی ہو یا حیوانات کی صورت سے متعلق ہو، ہر قسم کی ذخیرہ اندوزی شریعت اسلامیہ کی روشنی میں کراہت سے خالی نہیں۔احناف کے مفتی بہ قول کے مطابق بطور خاص اجناس خوردنی کی ذخیرہ اندوزی جائز نہیں، باقی اشیاء میں احتکار واقع نہیں ہوتا۔ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ہر چیز کا احتکار ممنوع ہے۔ سلفی علما کے نزدیک بھی وہی حکم ہے جو ائمہ ثلاثہ اور امام ابو یوسف کا قولِ مختار ہے۔یہ حکم دور حاضر کے تناظر میں مطلق ہے، کیونکہ بین الاقوامی سطح پر ذخیرہ اندوزی کا نتیجہ یہ سامنے آرہا ہے کہ مہنگائی آسمان کو چھونے لگ گئی ہے۔ان حالات میں حاکم وقت کو چاہیے کہ وہ اپنے ملک کی تاجر برادری سے معاہدہ کرے اور انھیں اسلامی احکام کی روشنی میں تجارت پر پابند کرے تاکہ خلق خدا کمر توڑ مہنگائی کے طوفان سے نجات حاصل کرسکے۔

---

[26] ملک العلماء علاء الدین ابو بکر بن مسعود کاسانی، بدائع الصنائع (بیروت: دار الکتب العلمیہ، 2003ء)، 6:517۔

[27] الکاسانی، بدائع الصنائع، 6:517۔

[28] ابو عبداللہ محمد بن علی شوکانی، نیل الاوطار فی شرح منتقی الاخیار (بیروت: دار المعارف 2002ء) 5:262۔

[29] ابو یحییٰ زکریا بن محمد الانصاری السنیکی، اسنی المطالب فی شرح روض الطالب (بیروت: دار الکتاب الاسلامی سطن)، 2:39۔